

## صدقہ کے بارے میں ترغیب

(الترغیب فی الصدقة)

حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي الْحُبَابِ سَعْدِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ مِنْ كَسْبٍ  
طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ إِلَّا طَيِّبًا كَانَ إِنَّمَا يَضَعُهَا فِي كَفِّ الرَّحْمَنِ يُرَبِّهَا  
كَمَا يُرَبِّي أَحَدَكُمْ فَلَوْهُ أَوْ فَصِيلَةٌ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ.

سعد بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی پاک کمائی  
سے صدقہ کرے، اور اللہ پاک کمائی ہی قبول کرتا ہے، تو گویا وہ خداے رحمن کے ہاتھ میں اس کو رکھتا  
ہے جو اس کو نشوونما دے کر بڑھاتا ہے، جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بچہ کو یا اپنے اونٹ کے  
بچے کو بڑھاتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔

وضاحت

’فصيلة‘ دودھ چھوڑے ہوئے بچے کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں یوں آیا ہے يَسْمَحُ اللّٰهُ الرَّبُّو وَيُرِي الصَّدَقَاتِ ۚ البقرہ، ۲۷۶ (اللہ سود کو گھٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا)۔ جو صدقات اللہ کی راہ میں دیے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بڑھاتا ہے، اور اللہ جتنا چاہے بڑھائے۔ یہاں وضاحت کر دی گئی ہے کہ وہ بڑھا کر پہاڑ کی مانند کر دیتا ہے۔ آپ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے گویا آپ نے اس کو خدائے رحمان کے ہاتھ میں دے دیا کہ وہ اس کو اس طریقہ سے بڑھائے، جس طریقہ سے آپ اپنے پچھڑے کو پالتے ہیں یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتے ہیں تو وہ بڑا ہو جاتا ہے۔

صدقات کی زیادت ہونی چاہیے اور چھوٹی یا بڑی جو چیز بھی دیں تو اس میں خلوص شامل ہونا چاہیے، کیونکہ اصل قدر و قیمت تو خلوص کی ہے۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ النَّصَارِيِّ بِالْمَدِينَةِ مَالًا مِنْ نَحْلٍ، وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُ حَاءٍ وَكَانَتْ مُسْتَقْبَلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ. قَالَ أَنَسُ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ قَامَ أَبُو طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ. وَإِنْ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَى بَيْرِ حَاءٍ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلَّهِ أَرْجُوا بَرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللَّهِ فَضَعُهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ شِئْتَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَخُ ذَلِكَ مَالٌ رَابِعُ ذَلِكَ مَالٌ رَابِعُ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ فِيهِ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهُ فِي الْأَقْرَبِينَ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ أَفْعَلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ.

اُتلق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں کھجوروں کے باغ کے لحاظ سے سب سے زیادہ رئیس انصاری تھے۔ اور ان کا محبوب ترین باغ بیرحاء تھا جو مسجد (یعنی مسجد نبوی) کے بالمقابل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لایا کرتے اور اس میں سے شیریں اور ٹھنڈا پانی پیا کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (تم خدا سے وفاداری کے مقام کو نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنے محبوب مال میں سے نہ خرچ کرو) تو ابو طلحہ اٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی وفاداری کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم خرچ نہ کرو اس چیز سے جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے، تو میرا سب سے زیادہ محبوب مال باغ بیرحاء ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، اب میں اس کا صلہ اور اجر اللہ کے ہاں چاہتا ہوں۔ یا رسول اللہ، آپ جہاں چاہیں، اس کو صرف کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! ماشاء اللہ! بہت اچھا مال ہے۔ یہ بہت نفع بخش باغ ہے۔ میں نے سن لی وہ بات جو تم نے کہی ہے۔ اب میری راے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے اقرباء میں تقسیم کر دو۔ ابو طلحہ نے کہا: یا رسول اللہ، میں ایسے ہی کروں گا۔ تو ابو طلحہ نے اسے اپنے اقرباء اور اپنے چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

## وضاحت

’بخ‘ وہی لفظ ہے جو پیچھے ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے بطور طنز استعمال کیا۔ یہ تین چار شکلوں میں آتا ہے۔ یہاں یہ لفظ تحسین کے لیے آیا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید سے کس طرح متاثر ہوتے تھے۔ ان کے مقابلے میں آج ہمیں اپنے رویے پر نظر کرنی چاہیے کہ ہم قرآن مجید کے معاملے میں کس قدر بلید ہو گئے ہیں۔

اس حدیث سے خاص بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے تو صدقہ کے مصارف میں اپنے اعزہ و اقرباء اور اپنے بنی اعمام کو، جن کی حالت محتاج اصلاح ہو، شامل کر سکتا ہے۔ ان کی بہبود کے لیے صدقہ کے مال سے ان کی مدد کر سکتا ہے۔ محتاج کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی بالکل ہی تہی دست ہو، دوروٹی کا محتاج ہو۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ

عنه نے باغ اپنے جن اقرباء اور بنی اعمام میں تقسیم کیا، ان کے متعلق قطعی طور پر معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی محتاج نہیں تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی ان کے خاندان میں سے تھے۔ اس باغ میں سے ان کو جو حصہ ملا تھا، وہ انھوں نے بنو امیہ کے زمانے میں ایک لاکھ درہم میں بیچا تھا۔

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف میں کوئی فرق نہیں، البتہ ان کے وصول کرنے میں فرق ہے۔ اگر آپ زکوٰۃ نہیں دیں گے تو حکومت وصول کر لے گی، لیکن صدقات کی ادائیگی آپ کی صوابدید پر ہے۔ ہمارے فقہانے حد مقرر کر رکھی ہے کہ اگر کسی غریب کے پاس اتنی مالیت کا مال ہو تو اس کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے۔ اس زمانے میں اتنی مالیت سے تو آدمی ایک وقت کی روٹی نہیں کھا سکتا۔ یہ بات غلط ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود لوگوں کی بہبود اور ترقی ہے۔ معاشرہ میں ان کے مقام کو بلند کیا جائے۔ اگر وہ کاروبار کرتے ہیں تو ان کو سہولت حاصل ہو جائے اور کام کرتے ہیں تو اس میں ان کو آسانیاں مل جائیں اور وہ ترقی کر کے اس کو بڑھالیں۔ اس زمانے میں رفاہی ریاست کا بہت چرچا ہے۔ رفاہی ریاست قائم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے جتنے بھی احکام ہیں، ان کو قرآن مجید کے مطابق ٹھیک کیا جائے۔ زکوٰۃ ہر مال میں ہے۔ اس میں سے مستثنیٰ صرف مقدار ہے۔ بڑے پیمانے پر جو چیز بھی کاشت ہوگی، اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ حکومت زکوٰۃ کے اموال سے اجتماعی بہبود اور رفاہیت کے کام کر سکتی ہے۔ زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا مصرف ایک ہے۔ یہ یتیموں، غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی بہبود، ترقی اور اصلاح کے لیے خرچ ہوں گے۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَعْطُوا السَّائِلَ وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ .

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سائل کو دو، اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

### وضاحت

یہ روایت موقوف ہے۔ بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مانگتا ہے، اس کو دیں۔ اس کے بارے میں زیادہ تحقیق نہیں کرنی چاہیے۔ سائل کے لیے یہ کیا کم ہے کہ اس نے اپنی ناموس اور اپنی آبرو کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

جس نے اتنی بڑی قربانی دی ہے، اس کی زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیے، الا آنکہ یہ واضح ہو کہ یوں ہی بھگل بنائے ہوئے ہو یا پیشہ ور ہے۔ ظاہری حالت پر قیاس کر کے انکار کرنا صحیح نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سائل لنگڑا ہو تو سوار ہو کر آیا ہو یا اس کے پاس گھوڑا تو ہے، لیکن اس کی ضروریات، بلکہ اپنی بھی ضروریات نہیں ہیں اور حالات نے اسے مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔

حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُعَاذٍ الْأَشْهَلِيِّ  
الْأَنْصَارِيِّ عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا  
نِسَاءَ الْمُؤْمِنَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ أَحَدًا كُنَّ أَنْ تُهْدَى لِحَارَتِهَا وَلَوْ كُرَاعَ شَاةٍ  
مُحْرَقًا.

عمر بن معاذ الأشہلی الانصاری اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مومنہ عورتو! تم میں سے کوئی بھی اس بات کو حقیر نہ سمجھے کہ وہ اپنی پڑوسن کے لیے کوئی حقیر سے حقیر ہدیہ بھیجے، اگرچہ وہ بکری کی ایک جلی ہوئی گھری ہو۔

### وضاحت

یہ واقعہ ہے کہ ہدیہ محبت بڑھانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اپنی توفیق کے مطابق جو کچھ بھی میسر ہو اور جب بھی موقع نکلے ہدیہ دینا چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہدیہ شان دار ہو تب دے۔ کوئی چیز جو ذرا بھی ندرت رکھتی ہو، پڑوسی کو ضرور بھیجی چاہیے۔ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی تلقین کی ہے اور یہ چیز معاشرت پر بہت مفید اثرات ڈالتی ہے۔ اس حدیث میں نساء المؤمنات کی ترکیب شاذ ہے۔ میرے نزدیک تو یہ ہے کہ جس طریقہ سے نکرہ موصوف معرفہ بن جاتا ہے، اسی طریقہ سے منادی بھی معرفہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے، اس لیے اس کی صفت معرفہ آسکتی ہے۔ والعلم عند اللہ۔

حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَنَّ مُسْكِينًا سَأَلَهَا وَهِيَ صَائِمَةٌ وَلَيْسَ فِي بَيْتِهَا إِلَّا رَغِيفٌ فَقَالَتْ لِمَوْلَاةٍ لَهَا أَعْطِيهِ إِيَّاهُ، فَقَالَتْ لَيْسَ لَكَ مَا تُفْطِرِينَ عَلَيْهِ، فَقَالَتْ أَعْطِيهِ إِيَّاهُ قَالَتْ فَفَعَلْتُ. قَالَتْ فَلَمَّا أَمْسَيْنَا أَهْدَى لَنَا أَهْلُ بَيْتٍ أَوْ إِنْسَانٌ مَا كَانَ يُهْدِي لَنَا شَاءً وَكَفَّنَهَا فَدَعَتْنِي عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ، فَقَالَتْ كُلِّي مِنْ هَذَا هَذَا خَيْرٌ مِنْ قُرْصِكَ.

امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات پہنچی کہ ایک مسکین ان کے پاس آیا اور اس نے کچھ سوال کیا اور وہ روزہ سے تھیں۔ گھر میں ایک چپاتی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ انھوں نے اپنی آزاد کردہ لونڈی سے کہا کہ یہ اسے دے دو۔ اس نے کہا کہ افطار کرنے کے لیے آپ کے لیے کچھ نہیں رہے گا۔ تو انھوں نے کہا کہ تم دے دو۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے چپاتی سائل کو دے دی۔ جب شام ہوئی تو ہمارے لیے ایک ایسے خاندان والوں نے یا ایک شخص نے بکری کا گوشت بھیجا جن کو ہمارے ہاں ہدیہ بھیجنے کی مستقل عادت نہ تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلایا اور کہا: لو اس میں سے کھاؤ۔ یہ اس چپاتی سے بہتر ہے جو تم نے دی۔

### وضاحت

’بکری بھیجی‘ یہ عربیت کا اسلوب ہے کہ کل بول کر جزء مراد ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پوری بکری بھیجی۔ آپ بھی مہمان کی تواضع کے لیے مرغی ذبح کرتے ہیں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے مہمان کو مرغی کھلائی، حالانکہ اس میں سے اور لوگوں نے بھی کھایا ہوتا ہے۔

’وَكَفَّنَهَا‘ میں واو عطف کا نہیں مادے کا حصہ ہے۔ ’وَكَفَّنَا‘ کے معنی میں قطرہ قطرہ ٹپکنے کا مفہوم ہے، گویا یہ خاندان مسلسل ہدیہ نہیں بھیجتا تھا۔ بعض لوگوں نے واو کو حرف عطف مانا ہے اور ’كَفَّنَا‘ کو ڈھانکنے کے معنی میں لیا ہے، یعنی اس پر روٹیاں ڈھانپ رکھی تھیں۔ لوگوں نے اور شرحیں بھی لکھی ہیں۔ بہر حال یہ لفظ مزید تحقیق طلب ہے۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ لفظ غلط ضبط ہو گیا ہو۔

یہ روایت امام مالک کی بلاغات میں سے ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی سائل آئے تو اس کو دینا چاہیے اور اسی طریقہ سے دینا چاہیے جس طریقہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا۔ تجربہ یہی ہے کہ اگر آپ اس طریقہ سے دیں گے تو ان شاء اللہ آپ بھوکے نہیں رہیں گے، اچھا کھائیں گے۔

حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ مَسْكِينًا اسْتَطْعَمَ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ وَبَيْنَ يَدَيْهَا عِنَبٌ، فَقَالَتْ لِإِنْسَانٍ خُذْ حَبَّةً فَأَعْطِهِ إِيَّاهَا فَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَيَعْجَبُ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ اتَّعَجَبُ كَمْ تَرَى فِي هَذِهِ الْحَبَّةِ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ.

امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی کہ ایک مسکین نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کھانا مانگا۔ ان کے آگے کچھ انگور تھے۔ انھوں نے کسی سے کہا کہ اس میں سے ایک دانہ لے کر اس کو دے دو تو وہ تعجب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا منہ دیکھنے لگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم تعجب کرتے ہو! اس میں نہ جانے کتنے مثقال ذرہ ہوں گے۔

### وضاحت

‘عِنَبٌ’ یہاں نکرہ ہے جو تحقیر کے لیے بھی آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تھوڑے سے انگور یا کچھ انگور۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اگر کہتیں تو یہ کہتیں کہ دے دو جتنے بھی ہیں۔ سیدہ عائشہ کے کردار سے یہ بعید ہے کہ انھوں نے یہ کہا ہوگا کہ اس میں سے ایک دانہ اٹھا کر دے دو۔ بہر حال یہ امام مالک کی بلاغات میں سے ہے۔ میں اس کی ذمہ داری نہیں لیتا۔

